27

حضرت مسیح موعود کا ایک زبردست نشان

(فرمودہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۲۶ء)

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے دو ہی کامل راستے ہیں اور وہ دونوں دو شہادتیں ہیں جن میں سے ایک شہادت تو اپنے نفس کی ہے کہ انسان اپنے نفس سے یہ بات حاصل کرتا ہے کہ کوئی اللہ ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور دوسری شہادت غیر کی ہے۔ ان دونوں راستوں کے سوا اور کوئی راستہ نہیں جو انسان کو خدا تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات پر کامل یقین کرا سکے۔

عقل انسانی بھی ایک حد تک رہنمائی کرتی ہے۔ اور انسان اس کی رہنمائی سے سمجھتا ہے کہ شائد میں نے مدعا کو پا لیا۔ لیکن چونکہ وہ ناقص ہوتی ہے اور اس کی رہنمائی ایسی محدود ہوتی ہے کہ انسان اپنے خیال میں ایمان کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ چکا ہوتا ہے لیکن وہاں پہنچ کر بھی ایسا حادثہ ہو جاتا ہے جس سے اسے محسوس ہو جاتا ہے کہ میرا ایمان کچھ نہ تھا اور ایک ہی دن میں اسے اپنی غلطی اور کمی کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اگر صبح کے وقت وہ اپنے آپ کو سلوک اور مدارج پر چلتا ہوا خیال کرتا ہے تو شام کو شکوک کی اندھیری سے اس کا دل اڑتا پھرتا ہے۔ لیکن جو وجود پہاڑ کی طرح ثابت ہوتے ہیں۔ وہ اپنا قدم آگے ہی اٹھاتے ہیں اور وہ وہی ہوتے ہیں جو اپنے نفس کی شہادت سے اپنے ایمان کو کامل بناتے ہیں۔

ایسے لوگوں کو نفس کی شہادت سے ایسا پختہ ایمان حاصل ہوتا ہے کہ وہ ہر حالت میں اس پر قائم رہتے ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ اتار چڑھاؤ سے بچے ہوتے ہیں نہیں بلکہ ان پر بھی اتار چڑھاؤ آتے ہیں۔ مگر وہ اس قسم کے اتار چڑھاؤ سے ہر قسم کے ظن اور شک سے محفوظ رہتے ہیں۔ ایک وقت ان کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا ان کے قدموں پر آپڑی ہے۔ اور وہ ایسا محسوس کرتے ہیں

کہ سارے قانون قدرت نے ان کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور دوسرے وقت ان کو معلوم ہوتا ہے کہ اپنے پرائے سب دشمن ہو گئے۔ لیکن باوجود اس کے ان کے ایمان میں فرق نہیں آتا بلکہ خطرے کے مقام پر ان کا ایمان آگے سے بھی بڑھ جاتا ہے اور یہ بات ان کو ممتاز کر کے دکھاتی ہے۔

غزوہ حنین میں ایک موقع پر تمام صحابہ باستثناء بارہ آدمیوں کے رسول کریم ﷺ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ یہ لشکر بارہ ہزار کا تھا۔ ان میں سے صرف بارہ آدمی بھاگ جانے کے خیال سے بچے تھے۔ اور باقی سب آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ میں اس جگہ کسی تاریخی پہلو پر روشنی نہیں ڈال رہا۔ اس لئے میں اس کی تفصیل اور وجوہات کو چھوڑتا ہوں۔ مگر بہرحال یہ بات ظاہر ہے کہ ایک موقع پر ایسا وقت آیا کہ رسول اللہ ﷺ صرف بارہ آدمیوں کے درمیان رہ گئے لیکن باوجود اس بات کے آنحضرت ﷺ آگے بڑھے۔ مگر اس وقت بعض آپ کے شیدائیوں نے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی کہ اس وقت آگے بڑھنا مناسب نہیں۔ آپ ٹھیریں کہ لشکر جمع ہو لے۔ وہ لوگ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہماری زندگی ہے اور آپ کے جسم مبارک پر ذرا بھی آنچ آئی تو مسلمان دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر خدانخواستہ رسول کریم ﷺ جنگ میں شہید ہو گئے تو اشاعت اسلام کے راستہ میں پہاڑ کھڑے ہو جائیں گے۔ گو وہ سمجھتے تھے کہ خدا تعالیٰ ان کو قتل ہونے سے بچائے گا لیکن وہ خدا کے استغناء پر بھی یقین رکھتے تھے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ کی جان کی حفاظت کے خیال کو ضروری سمجھتے تھے اور یہ ایسا خیال تھا جو کبھی مبدل نہ ہوتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ خدا تعالیٰ پھر بھی غنی ہے اس لئے تدابیر اختیار کرنی چاہئیں غرض بعض صحابہ نے باگ پکڑ لی۔ مگر آپ نے زور سے فرمایا کہ چھوڑ دو اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھ گئے۔ اور بلند آواز سے کہا۔ **انا النبی لا کذب۔ انا بن عبدا لمطلب**۔[1] اگر نہ بولتے تو شائد نہ پہچانے جاتے۔ عرب میں اس زمانہ میں کلغی یا تاج نہیں ہوتے تھے کہ ان سے کسی بادشاہ کو پہچان لیا جاتا اور ایسے موقعہ پر جب کہ سارا لشکر چھوڑ کر بھاگ گیا ہو۔ اور جان کا سخت خطرہ ہو۔ بڑے سے بڑا بادشاہ بھی اپنے آپ کو ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ مگر آپ بڑھے اور بلند آواز سے کفار اور اپنے دشمنان برسرپیکار سے کہا **انا النبی لا کذب۔ انا بن عبدا لمطلب** جس کا مطلب یہی تھا کہ میں خدا کا نبی ہوں۔ جھوٹا نہیں ہوں۔ اور دوسرے جملے سے یہ مراد تھی کہ کوئی میری طاقت کو دیکھ کر کہ سامنے تو چار ہزار تیر انداز کھڑے ہیں اور میں ان کی طرف ہی بڑھتا جاتا ہوں یہ گمان نہ کر لے کہ میں خدا ہوں میں **عبدالمطلب** کا بیٹا ہوں اس دوسرے فقرے سے آپ

نے اپنی نبوت اور بشریت کا اظہار کیا ہے اور اس سے وہ شبہ جو آپ کی الوہیت کے متعلق پیدا ہو سکتا تھا دور کر دیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں بھی اس قسم کے واقعات ملتے ہیں۔ گورداسپور میں آپ پر ایک مقدمہ کیا گیا۔ فریق مخالف کی طرف سے مجسٹریٹ کو جو ان کا ہم قوم تھا کہا گیا کہ یہ بدلہ لینے کا موقعہ ہے اگر آج بدلہ نہ لیا تو قومی غدار سمجھے جاؤ گے۔ لاہور میں اس کے متعلق ان کا جلسہ ہوا۔ جس میں یہ سب باتیں طے ہوئیں۔ خدا کے تصرف بڑے زبردست ہوتے ہیں اور اس کی حکمتیں باریک۔ ان ہی میں سے ایک شخص نے ایک احمدی کو یہ سب قصہ آسنایا کہ یہ فیصلہ کیا گیا ہے اور کہا کہ آپ ان کو خبر کر دیں لیکن میرا نام نہ لیا جائے۔ کیونکہ اس سے میں بدنام ہو جاؤں گا اور ممکن ہے کہ ان کی طرف سے میرے ساتھ کوئی سخت سلوک کیا جائے۔ جن لوگوں نے اس وقت کی حالت کو دیکھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت باغ میں زمین پر لیٹے ہوئے تھے اور جو پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک نے ان میں سے نہایت گھبراہٹ کے ساتھ کہا کہ اب معلوم نہیں کیا ہو گا۔ یہ سنا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور بڑے زور سے فرمایا کہ آپ کو خدا پر ایمان نہیں۔ خدا کے نبی شیر ہوتے ہیں وہ اگر مجھ پر ہاتھ ڈالے گا تو شیر پر ہاتھ ڈالے گا۔[۲]

تو یہ ایمان نفس کے مشاہدات سے آتا ہے۔ اور جس کو ایسا ایمان حاصل ہو جائے۔ اس کے یقین اور اخلاص میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوتا۔ اس کی امیدوں میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوتا۔ اس کے ایمان میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوتا بلکہ اگر کوئی اور بھی واقعہ گذرتا ہے تو وہ اور بھی بڑھتا ہے۔ دوسرے لوگ جس بات سے خوف کھا جاتے ہیں اور جس سے ان کے ایمان میں تزلزل پیدا ہو جاتا ہے جس سے ان کے اخلاص میں تزلزل پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے ان کے یقین میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی سے ان لوگوں کا ایمان بڑھتا ہے اور ان کے اخلاص میں ترقی ہوتی ہے اور ان کے یقین میں زیادتی پیدا ہوتی ہے۔ اور جب کوئی ایسا حادثہ گذرتا ہے تو ایسا ایمان کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے۔

خدا تعالیٰ سے دور رہنے والوں کی آواز مایوسی پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن خدا کے ماننے والوں کی آواز شروع میں دھیمی اٹھتی ہے۔ نرمی کے ساتھ بلند ہوتی ہے مگر ایسی آواز کا خاتمہ امنگوں پر ہوتا ہے۔ امیدوں پر ہوتا ہے۔ حزقیل۔ دانیال۔ عزرا۔ حبقوق۔ میکاہ۔ یرمیاہ وغیرہ کی کتابوں کو پڑھ کر دیکھ لو سب کی آوازیں دھیمی ہوں گی اور افسوس کے ساتھ شروع ہوں گی لیکن

امید پر جا کر ختم ہوں گی۔ وہ شروع اس طرح ہوں گی۔ اے لوگو! تم نے یہ کیا وہ کیا اس لئے یہ ہوگا لیکن ختم اس پر ہوں گی کہ خدا تم کو نہیں چھوڑے گا۔ تمھاری ضرور مدد کرے گا۔ تو ان کی ابتدا غم و اندوہ سے ہوگی اور انتہا امید پر ہوگی۔

اول درجے کا ایمان اپنے نفس کی شہادت سے پیدا ہوتا ہے اور دوسرے درجے کا ایمان دوسرے لوگوں کی شہادت سے پیدا ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ جب وہ صادقوں کے معجزات۔ ان کی نصرت۔ خدا کی ان سے ہمکلامی کو دیکھتے ہیں تو ان کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور وہ اس ایمان سے بڑھ کر جو عقل سے پیدا ہوتا ہے ان باتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اسی لئے یہ اس سے بھی بلند ہے پس یہ ایمان بھی بڑا زبردست ہوتا ہے۔ ایسا ایمان بھی اگر پیدا ہو جائے تو دنیا کی سب چیزیں ہیچ ہو جاتی ہیں اور صرف خدا تعالیٰ کا خیال رہ جاتا ہے۔

عقل کے ذریعے جو ایمان حاصل ہوتا ہے وہ کوئی ایسا عمدہ اور مضبوط ایمان نہیں ہوتا۔ تمام دنیا کے عقلی ایمانوں کو اگر جمع کر لیا جائے تو وہ انسان کے اس ایمان کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہوں گے۔ جو شہادت نفس سے یا کم از کم شہادت غیر سے حاصل کیا جاتا ہے بلکہ میرے نزدیک تو وہ ایمان کہلانے کا ہی مستحق نہیں۔ عقل سے ایمان لانے والوں کے ایمانوں کو اگر جمع کیا جائے تو گو وہ ایمان کسی حد تک مشاہدہ بھی رکھتے ہوں اور موہبت والے بھی ہوں لیکن وہ پھر بھی سمندر کے مقابل پہ قطرہ ہی ہوں گے۔ کیونکہ ان کی تمام قوت ان کے مقابل پہ کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی۔

یہی وجہ ہے کہ خدا انبیاء کو بار بار بھیجتا ہے۔ اور انبیاء کو بار بار بھیجنے سے وہ دکھانا چاہتا ہے۔ کہ میں مردہ خدا نہیں ہوں۔ میں بے کار اور غافل خدا نہیں ہوں۔ میں اپنی قدرتیں اور طاقتیں ہمیشہ دکھاتا ہوں اور ہمیشہ دکھا سکتا ہوں اور طاقتوں کے ذریعہ خدا تعالیٰ ایسے ایمان پیدا کراتا ہے اور بندوں کے لئے دونوں قسم کی راہیں کھول دیتا ہے۔

ہمارے اس زمانہ میں بھی یہ دونوں راہیں ایمان پانے کی خدا تعالیٰ نے کھولی ہیں۔ یہ دونوں راہیں یہی ہیں کہ اپنے نفس کی شہادت سے ایمان حاصل کرنا اور شہادت غیر سے ایمان پیدا کرنا۔ اور یہ دونوں راہیں جو اس نے کھولی ہیں۔ ان کے دروازوں کو کھولنے کے لئے وقت کے نبی کی جماعت میں داخل ہونا ضروری ہے۔ اس نبی کی بیعت کا سرٹیفکیٹ ان کے ہاتھ میں ہونا چاہئے۔ عام الہام کی شرط نہیں.............. اس کے لئے ایسے الہاموں کی ضرورت ہے جو دوسروں کو بھی حیران کر دیں اور ایسے الہام اور وحی صرف انبیاء کی بیعت کا سرٹیفکیٹ رکھنے والوں کو ملتے ہیں۔

دوسرا دروازہ بھی کھولا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی کے لئے نشان بھی دکھائے اور کثرت سے دکھائے اور ہر رنگ میں کھلے کھلے طور پر دکھائے ہیں کہ اگر دلوں پر زنگ نہ ہو تو سورج سے زیادہ چمک کے ساتھ ان کی سچائی ظاہر ہو جائے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ سورج کے وجود میں شبہ پڑ جائے لیکن خدا کے اس نبی کی شان میں جو نشان دکھائے گئے ہیں۔ وہ بہت ہیں اور اس کثرت سے ہیں اور اس طرح کھلے کھلے ہیں کہ ان میں شبہ پڑ نہیں سکتا اور جو روشنی ان سے پیدا کی وہ کبھی انسان کے اندر ظاہر ہوتی ہے کبھی جانوروں کے اندر سے ظاہر ہوتی ہے۔ کبھی بے جان سے ظاہر ہوتی ہے۔ کبھی آسمان سے ظاہر ہوتی ہے۔ کبھی زمین سے ظاہر ہوتی ہے۔ کبھی پہاڑوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور کبھی زلزلوں سے ظاہر ہوتی ہے۔

ایسے نشان ہزاروں ہیں اور ایسی شہادتیں بے اندازہ کہ جن سے یہ قسم ایمان کی پیدا ہوتی ہے۔ ان میں سے اس وقت میں ایک کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اور وہ **یاتیک من کل فج عمیق** اور **یاتون من کل فج عمیق**۔[3] یعنی دور دور سے لوگ تیرے پاس آئیں گے اور دور دور سے تیرے پاس تحائف لائے جائیں گے اور ایسے ایسے سامان کئے جائیں گے جن سے مہمان نوازی کی جائے اور اس کثرت سے لوگ آئیں گے کہ وہ راستے گھس جائیں گے جن راستوں سے وہ آئیں گے۔

یہ نشان ایک عظیم الشان نشان ہے اس عظیم الشان نشان کی کس وقت خدا تعالیٰ نے خبر دی۔ اس حالت کے دیکھنے والے اب بھی موجود ہیں۔ میری عمر تو چھوٹی تھی لیکن وہ نظارہ اب بھی یاد ہے۔ جہاں اب مدرسہ ہے وہاں ڈھاب ہوتی تھی اور میلے کے ڈھیر لگے ہوتے تھے اور مدرسہ کی جگہ لوگ دن کو نہیں جایا کرتے تھے کہ یہ آسیب زدہ جگہ ہے۔ اول تو کوئی وہاں جاتا نہیں تھا اور جو جاتا بھی تو اکیلا کوئی نہ جاتا بلکہ دو تین مل کر جاتے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ یہاں جانے سے جن چڑھ جاتا ہے۔ جن چڑھتا تھا یا نہیں بہرحال یہ ویران جگہ تھی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ویران جگہوں کے متعلق ہی لوگوں کا خیال ایسا ہوتا ہے کہ وہاں جانے سے جن چڑھ جاتا ہے۔ پھر یہ میرے تجربے سے تو باہر تھا۔ لیکن بہت سے آدمی بیان کرتے ہیں کہ قادیان کی یہ حالت تھی کہ دو تین روپے کا آٹا بھی یہاں سے نہیں ملتا تھا۔ آخر یہ گاؤں تھا۔ زمیندارہ طرز کی یہاں رہائش تھی۔ اپنی اپنی ضرورت کے لئے لوگ خود ہی پیس لیا کرتے تھے۔ یہ تو ہمیں بھی یاد ہے کہ ہمیں جب کبھی کسی چیز کی ضرورت پڑتی تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی آدمی کو لاہور یا امرتسر بھیجا کرتے تھے۔ پھر آدمیوں کا یہ حال تھا کہ کوئی ادھر آتا نہ تھا۔ برات وغیرہ پر کوئی مہمان اس گاؤں میں آجائے تو آجائے لیکن عام طور پر کوئی آتا

جاتا نہ تھا۔ مجھے وہ دن بھی یاد ہیں کہ میں چھوٹا سا تھا حضرت صاحب مجھے بھی ساتھ لے جاتے۔ مجھے یاد ہے برسات کا موسم تھا ایک چھوٹے سے گڑھے میں پانی کھڑا تھا میں پھلانگ نہ سکا تو مجھے خود اٹھا کے آگے کیا گیا۔ پھر کبھی شیخ حامد علی صاحبؓ اور کبھی حضرت صاحب خود مجھے اٹھا لیتے۔ اس وقت نہ کوئی مہمان تھا اور نہ یہ مکان تھے۔ کوئی ترقی نہ تھی مگر ایک رنگ میں یہ بھی ترقی کا زمانہ تھا۔ کیونکہ اس وقت حافظ حامد علی صاحب آ چکے تھے۔ اس سے بھی پہلے جب کہ قادیان میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوئی شخص نہ جانتا تھا خدا تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا کہ تیرے پاس دور دور سے لوگ آئیں گے اور دور دور سے تحائف لائے جائیں گے۔ اس وقت کی حالت کا اندازہ لگاتے ہوئے خدا تعالیٰ کے اس وعدے کو ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ اے وہ شخص جس کو کہ اس کے محلے کے لوگ بھی نہیں جانتے جس کو کہ اس کے شہر سے باہر دوسرے شہروں کے انسان نہیں جانتے جس کی گمنامی کے حالت سے لوگوں کو یہی خیال تھا کہ مرزا غلام قادر صاحب ہی اپنے باپ کے بیٹے ہیں - میں تجھ جیسے شخص کو عزت دوں گا۔ دنیا میں مشہور کروں گا۔ عزت چل کر پاس آئے گی۔

عزت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک وہ عزت ہے جو دوسروں کے گھر جا کر لی جاتی ہے مثلاً" کسی کے کام کر دیئے۔ کسی کی مقدمات میں خدمت کر دی۔ کسی کے بیاہ شادی میں مدد دی۔ کسی کے خیال کی تائید کر دی۔ یا گورنمنٹ کے ساتھ ہو کر بعض جرائم کا انکشاف کرا دیا۔ یا سرکار کے کاموں میں جا کر مدد کر دی۔ جس سے خوش ہو کر بعض کو اس کی طرف سے کوئی خطاب مل گیا۔ بعض کو زمین مل گئی۔ بعض کو اور قسم کی رعائتیں حاصل ہو گئیں۔ تو ایک عزت تو اس طرح ملتی ہے اور یہ عزت دوسروں کے گھر جا کر لی جاتی ہے۔ لیکن یہ حقیقی عزت نہیں ہوتی بلکہ ذلت ہوتی ہے۔ دوسری قسم کی عزت وہ عزت ہے جس کے لئے لوگوں کے دروازوں پر نہیں جانا پڑتا بلکہ وہ لوگ خود اس شخص کے گھر آ کر اس کو عزت دیتے ہیں۔ اور یہی حقیقی عزت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو عزت ملی وہ اسی قسم کی ہے لوگ چل کر آئے اور عزت دی اور یہ سب باتیں اس نشان کے ماتحت ہوئیں اور ہو رہی ہیں جو خدا تعالیٰ نے حضرت صاحب کو اس وقت دیا جب کہ آپ کو قادیان میں بھی کوئی نہ جانتا تھا۔

دشمن بھی اور بعض نادان دوست بھی اعتراض کرتے تھے کہ مرزا صاحب گھر بیٹھے رہتے ہیں باہر نہیں نکلتے اور دوسرے لوگوں کی طرح ادھر ادھر نہیں پھرتے۔ لیکن وہ نادان ہیں جو ایسا کہتے ہیں۔

وہ نہیں سمجھتے۔ جس کو خدا گھر بیٹھے عزت دے اسے باہر نکلنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسے خدا نے وعدہ دیا کہ تم ایک جگہ بیٹھو میں دنیا کو کھینچ کر تمھارے پاس لاؤں گا۔ اور یہ اب سب لوگوں کو نظر آ رہا ہے کہ خدا اپنی بات کے مطابق لوگوں کو لا رہا ہے اور تو کوئی معمولی طور پر مشہور ہو گا۔ زیادہ سے زیادہ ضلع میں اس کی عزت ہو گی یا زیادہ سے زیادہ صوبہ میں اس کی عزت ہو گی۔ زیادہ سے زیادہ ملک میں اس کی عزت ہو گی لیکن خدا تعالیٰ نے آپ سے اس سے بڑھ کر وعدہ کیا اور فرمایا کہ میں جو عزت تمھیں دوں گا وہ ایسی عزت ہو گی کہ ساری دنیا میں عزت ہو جائے گی۔ صرف شہر میں تمھاری عزت نہ ہو گی۔ صرف ضلع میں ہی تمھاری عزت نہ ہو گی۔ صرف صوبہ میں ہی تمھاری عزت نہ ہو گی۔ صرف ملک میں ہی تمھاری عزت نہ ہو گی۔ بلکہ دنیا کے کونے کونے میں عزت ہو گی۔ جدھر کوئی راستہ دنیا میں نکلتا ہو گا۔ جدھر کوئی پگ ڈنڈی دنیا میں جاتی ہو گی۔ ادھر تیرا نام پہنچایا جائے گا۔ اور ادھر ہی تیری عزت قائم کی جائے گی۔

خدا خالی یہ لفظ ہی نہیں فرماتا بلکہ وعدہ بھی فرماتا ہے۔ اور وعدہ بھی وہ وعدہ ہے جسے وہ بڑے زور کے ساتھ ہر روز پورا کر رہا ہے اور اس وعدہ کے لئے لفظ بھی وہ استعمال فرمائے جو اپنے معانی کے لحاظ سے بڑے زبردست ہیں۔ یہ الفاظ دو معنے رکھتے ہیں۔ ایک معنی تو یہی ہیں کہ دور دور سے لوگ چل کر آئیں گے۔ اور اس کثرت سے آئیں گے کہ راستوں میں گڑھے پڑ جائیں گے۔ اور وہ گہرے ہو جائیں گے لیکن ان الفاظ سے صرف یہی مطلب نہیں۔ بلکہ یہ بھی مراد ہے کہ صرف سڑکوں والے علاقوں کے لوگ ہی نہیں آئیں گے بلکہ وہ لوگ بھی آئیں گے جن کے علاقوں میں راستے نہیں۔ یعنی ایسی گمنام جگہوں سے بھی لوگ آئیں گے جنہیں دنیا میں لوگ جانتے ہی نہیں۔ اور صرف شہروں کے لوگ ہی نہیں آئیں گے۔ صرف بستیوں اور آبادیوں کے لوگ ہی نہیں آئیں گے۔ بلکہ جنگلوں کے لوگ بھی آئیں گے۔ میدانوں کے لوگ بھی آئیں گے۔ پہاڑوں کے لوگ بھی آئیں گے۔ غاروں کے لوگ بھی آئیں گے۔ غرض ہر گوشہ گمنامی سے کھینچ کر لوگ لائے جائیں گے۔ اور یہ دونوں معنی ہی اس الہام سے پائے جاتے ہیں۔ لوگوں کے آنے سے بھی کہ جن کے آنے سے راستے عمیق ہو جائیں اور عمیق راستوں سے لوگوں کے آنے کے بھی۔ اور یہ ہی وہ بڑی عزت ہے جو حقیقی طور پر عزت کہلانے کی مستحق ہے۔ کہ شہروں اور آبادیوں سے نکل کر ایسے ویرانوں میں بھی نام چلا جائے جو دنیا کو معلوم ہی نہیں۔

دنیا میں بہت سے آدمیوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے شہرت پائی۔ سر ٹیگور کے متعلق

بھی یہی کہا جاتا ہے۔ بے شک سرٹیگور نے شہرت پائی مگر شہروں میں۔ سرٹیگور کی عزت زیادہ سے زیادہ آبادیوں میں ہے اور آبادیوں میں سے بھی بہت تھوڑی آبادیوں میں اور پھروہ بھی علمی حلقہ میں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دنیا کے کونہ کونہ میں شہرت ہے۔ سرٹیگور کو افغانستان کے پہاڑوں پر کوئی نہیں جانتا۔ ایران کے پہاڑوں پر کوئی نہیں جانتا۔ ترکستان کے پہاڑوں پر کوئی نہیں جانتا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام اڑ کر وہاں پہنچا۔ اور ایسے طریق سے پہنچا کہ عقلیں حیران ہیں کہ کس طرح آپ کا نام ایسے ایسے مقامات پر جا پہنچا کہ جہاں انسان کا گزر بھی بمشکل ہے اور یہ اسی شہرت اور عزت کا نتیجہ ہے۔ جو خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے وعدے کے مطابق بطور نشان دی کہ ہر ملک اور ہر علاقہ سے لوگ کھنچے چلے آتے ہیں۔ پھر آپ کا نام دنیا کے ہر طبقہ کے لوگوں میں بھی پہنچا۔

آج قادیان کی کیا حالت ہے اس کا اندازہ اس کو دیکھنے سے ہو سکتا ہے کہ یہاں ہر وقت ہی ایک نمائش دنیا کے لوگوں کی لگی رہتی ہے۔ ہر طبقہ اور ہر علاقہ کے لوگ یہاں آتے ہیں۔ ہر قسم اور ہر ملک کے آدمی یہاں دیکھنے میں آتے ہیں۔ قریب کے لوگ بھی آتے ہیں اور دور دراز علاقوں کے لوگ بھی آتے ہیں۔ سیاہ بھی آتے ہیں اور سفید بھی آتے ہیں۔ اور کوئی قوم نہیں کہ جس کے لوگ یہاں نہ آتے ہوں۔ اور کوئی ملک نہیں کہ جس کے باشندے اس سے تعلق نہ رکھتے ہوں۔

ایک دفعہ مفتی صاحب کو اچھی سوجھی آپ نے ایک دفعہ یہاں ایک میٹنگ کی۔ جس میں دنیا کے مختلف حصوں میں بولی جانے والی بائیس زبانوں میں تقریریں کی گئیں۔ اتنی زبانوں کے جاننے والے بعض بڑے بڑے شہروں میں بھی نہیں ملتے ہم نے حساب لگایا۔ ابھی بہت سی زبانیں رہ گئی تھیں۔ جن کے جاننے والے تو یہاں موجود تھے۔ مگر وہ اس میٹنگ میں شامل نہ ہو سکے۔ اور یہ ترقی روز بروز بڑھ رہی ہے اور دنیا کی باقی زبانیں جاننے والے لوگ بھی یہاں جمع ہو رہے ہیں۔ تو یہ سب کچھ کس طرح ہوا۔ حضرت صاحب اس عزت کے لینے کے لئے کسی کے گھر چل کر نہیں گئے۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے یہ عزت اور شہرت ان کو گھر بیٹھے ہی دی اور یہی حقیقی اور سچی شہرت اور عزت ہے جو گھر بیٹھے کسی کو ملے۔

حال ہی میں ایک کتاب بڑے بڑے مشہور مشنریوں نے لکھائی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ عیسائیت کس طرح پھیلائی جائے۔ اس میں ایک مقام پر اسلامی ممالک میں عیسائیت پھیلانے کے متعلق بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب میں ہر فن کے ماہر سے مضمون لکھوائے گئے ہیں۔ جو جس فن

میں ماہر ہے۔ اس نے اپنے تجربوں کی بناء پر اس میں مضمون لکھے ہیں۔ اس کتاب کا ایک فقرہ مجھے بہت پیارا معلوم ہوا۔ اس میں لکھا ہے کہ احمدیہ جماعت کو جو بھی کہیں کہیں لیکن یہ بات ضرور ہے کہ یہ قوم اپنی طاقت کے ہاتھ سے دنیا پر چھا گئی اور "آنا" "فانا" دنیا میں پھیل گئی۔ طاقت تو جو ہماری ہے وہ ہم جانتے ہی ہیں۔ ہمارا تو یہ حال ہے کہ ہمارے دوست ان علاقوں کو بھی نہیں جانتے جن میں احمدیت پھیل چکی ہے۔ یہ سب لوگ جو اس مسجد میں اس وقت بیٹھے ہیں۔ ان سے پوچھا جائے کہ ان ممالک کے نام بتاؤ۔ جہاں احمدیت پھیلی ہوئی ہے تو ہرگز نہ بتا سکیں گے۔ تو جو ان ملکوں کے ناموں سے بھی واقف نہیں کہ جن میں احمدیت پھیلی ہوئی ہے۔ تو ان کی طاقت ہی کیا ہوئی اور انہوں نے ملکوں میں تبلیغ ہی کیا کرنی ہے۔ ان میں سے ضرور ۹۰ بلکہ ۹۵ فی صدی ایسے نکلیں گے۔ جو ان ملکوں سے ناواقف ہوں گے۔ اور اگر ان ملکوں کے نام ان لوگوں کے سامنے لئے جائیں کہ جن میں احمدیت پھیلی ہوئی ہے۔ تو وہ حیران ہو جائیں گے وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ یہ کسی ملک کا نام ہے یا کسی گھوڑے بیل کا۔ پس ہماری تو یہ حالت ہے تاریخی اور جغرافیائی طور پر بھی ہمیں وہ علم حاصل نہیں۔ جس کی بناء پر یہ کہا جا سکے کہ ہماری طاقت نے کام کیا۔ پس یہ کہنا کہ یہ سب کام ہماری طاقت کے ساتھ ہوا غلط ہے۔ یہ اسی کی طاقت ہے کہ جس نے آج سے پچاس سال پہلے کہا تھا۔ یا تیک من کل فج عمیق و یا تون من کل فج عمیق۔ پس اس کا پھیلانے والا خدا تھا نہ کہ ہماری طاقت۔

یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ اس الہام کی وہ چھوٹی سی شکل ہے۔ جس میں وہ ظاہر ہو رہا ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر اور نہایت ہی موثر پیرایہ میں اس کو پورا کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جلسہ سالانہ کی بنیاد رکھی۔ اور اس موقعہ پر یا تیک من کل فج عمیق اپنا پورا پورا اثر دکھاتا ہے۔ پس اس جلسے کے دن آنے والے ہیں۔ اور اس صورت میں جبکہ اس کی بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس الہام کے لئے رکھی۔ ہر وہ شخص جو اس میں شامل ہوتا ہے۔ وہ حضرت صاحب کے کام میں مدد دیتا ہے اور وہ خدا کے کلام میں مدد دینے والا ہے۔

خدا کا کلام تو پورا ہوتا ہے اور اس کے کام ہوتے رہتے ہیں۔ مگر وہ اپنے کلام کو بندوں سے پورا کراتا ہے۔ پورا کرنے والا تو درحقیقت خدا ہے لیکن وہ ہم کو کہتا ہے کہ اس میں شامل ہو جاؤ۔ اور یہ

"مفت کرم داشتن"

والا معاملہ ہے کہ کام تو وہ خود کرتا ہے مگر بندوں کو اس میں شامل کرلیتا ہے۔ پس جماعت کو بھی اس

میں شامل ہونا چاہئے۔ اور ان کاموں میں شامل ہونے سے پہلے کچھ باتیں ہیں جو اسے پوری کرنی چاہئیں۔

یا تیک من کل فج عمیق خدا کا کلام ہے اور خدا اسے پورا کرے گا اور پورا کر بھی رہا ہے۔ مگر ہم کو بھی جو اس میں شامل ہونے کے لئے کہا گیا ہے تو ہمیں چاہئے کہ لوگوں کو لانے سے پہلے ان کی مہمان نوازی کے سامان مہیا کریں۔ کیونکہ سب باتوں سے پہلے مہمان نوازی کی جاتی ہے۔ دیکھو اگر کسی کے گھر میں چند مہمان آ جائیں اور آگے مہمان نوازی کے سامان نہ ہوں تو شرمندگی ہوتی ہے اسی طرح ہمارا بھی حال ہے۔ اگر ہم لوگوں کو یہاں لاتے ہیں تو ہمارا یہ بھی تو کام ہے کہ ان کی مہمان نوازی کے سامان بھی کریں۔ پھر ہمارے مہمان بھی تو معزز مہمان ہیں۔ کیونکہ خدا ان کو اپنا مہمان کہتا ہے ہمیں تو ثواب کے لئے اس میں شامل کر رکھا ہے۔ پس ہمیں اس طرف توجہ کرنی چاہئے۔ اور زیادہ خصوصیت کے ساتھ قادیان والوں کو توجہ کرنی چاہئے کہ ان تمام آنے والوں کے لئے خدا نے ان کو میزبان بنایا ہے۔ پس اگر سب دوست نومبر کی آمد کا دسواں حصہ دے دیں تو جلسہ کا خرچ چل سکتا ہے۔

ہماری بعض ذمہ داریاں ہیں۔ اور پھر ان ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ کچھ انعامات ہیں کہ جن کا ہمارے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ پس ان انعامات کے بالمقابل یہ کوئی ایسی رقم نہیں جو بوجھ ہو۔ دوسرے بھی اس میں حصہ لیں۔ لیکن قادیان کی جماعت کو خصوصیت سے اس میں حصہ لینا چاہئے۔ کیونکہ دراصل قادیان کی جماعت ہی میزبان ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ میزبان کو اپنے مہمان کی خاطر ہر قربانی کرنی پڑتی ہے۔

بیت المال والوں نے اعلان کیا ہے کہ اس دفعہ جلسے کے اخراجات کے لئے بیس ہزار روپیہ کی ضرورت ہے۔ میرے نزدیک ایسے کام کے لئے یہ رقم جمع کر لینی کوئی مشکل بات نہیں۔ لوگ معمولی شادیوں پر ہزاروں روپے لگا دیتے ہیں۔ یہ دین کی شادی ہے اور اگر کوئی شخص شادی پر ہزاروں روپے لگا سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے الہام کی شادی پر کیوں نہیں لگا سکتا۔ پس میں تو ایسا خیال ہی نہیں کر سکتا کہ ہماری جماعت کے دوست اس سے ہاتھ کھینچ لیں گے۔

اس بیس ہزار روپے کی رقم میں سے جو سالانہ جلسہ کے اخراجات کے لئے تجویز کی گئی ہے۔ قادیان کی جماعت کے ذمہ پانچ ہزار روپیہ لگایا گیا ہے گو قادیان کی جماعت کی آمدنیاں قلیل ہیں۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس کے حوصلے وسیع ہیں اور وہ اس رقم کو بہت جلد ادا کر دے گی۔ میں ڈلہوزی ہی

تھا کہ میں نے اس تحریک کے متعلق سنا۔ قادیان واپس آکر میں نے اپنے حصہ کا چندہ بھیجا۔ تو مجھے یہ سن کر سخت تعجب ہوا کہ چندہ وصول کرنے والوں نے کہا کہ یہ پہلا چندہ ہے جو اس مد میں ہمیں وصول ہوا ہے۔ بعض نے تو یہاں تک کہا کہ ہمیں معلوم ہی نہیں کہ ایسی کوئی تحریک بھی ہوئی ہے۔ یہ درد پیدا کرنے والی باتیں ہیں۔ پس ہماری جماعت کے دوستوں کو چاہیئے کہ ان باتوں کی خاص احتیاط رکھیں۔

یہ چندے ایسی چیز نہیں کہ ان کے متعلق کسی کو تمھیں کچھ کہنا پڑے بلکہ یہ تمھیں اپنے آپ ادا کرنے چاہیں۔ اور میرے نزدیک تو یہ شرم کی بات ہے کہ کوئی کہے کہ لاؤ جی چندہ دو بلکہ یہ چاہیئے کہ کوئی کہنے نہ پائے کہ تم چندہ ادا کردو۔ تا یہ اس کی طرف منسوب نہ ہو سکے۔ کہ فلاں نے کہا ہی تو چندے ادا کئے گئے کیونکہ اس طرح یہ دین اس کا ہو جائے گا۔ اور یہ سمجھا جائے گا کہ اسے تو دین کا خیال نہ تھا جسے خیال تھا اس نے آکر کہا۔ اگر اسے خود خیال ہوتا تو وہ آپ ہی اس کا فکر کرتا اور اپنے آپ اس کے لئے چندہ دیتا اور اس میں حصہ لیتا پس جو اس موقعہ پر ایسا کرتا ہے اور اپنے آپ اس میں حصہ لیتا ہے اور اس بات کی طرف نہیں دیکھتا کہ کوئی آکے اسے چندے کے لئے کہے۔ تو وہ اس الہام کو پورا کرتا ہے جو قیامت تک پورا ہوتا رہے گا۔

جو الہام بار بار پورا ہو وہ اس الہام کے بالمقابل افضل ہوتا ہے جو ایک دفعہ پورا ہو۔ حضرت صاحب کا یہ الہام بھی ان الہاموں میں سے ہے جو بار بار پورے ہونے والے ہیں۔ یہ الہام آج ہی نہیں پورا ہو رہا بلکہ قیامت تک پورا ہوتا رہے گا۔ قرآن کریم اسی لئے توریت پر افضل ہے کہ یہ قیامت تک ہے۔ اسی طرح حضرت صاحب کا یہ الہام بھی اعلیٰ الہاموں اور اور اعلیٰ وحیوں میں سے ہے جو قیامت تک پورا ہوتا رہنے والا ہے۔ پس جو اس میں چندہ دیتے ہیں وہ اس کے پورا کرنے میں حصہ لیتے ہیں۔ اسی طرح جو یہاں آتے ہیں وہ بھی اس کے پورا کرنے میں حصہ لیتے ہیں۔ اور جو دوسروں کو ساتھ لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ بھی اس کے پورا کرنے میں حصہ لیتے ہیں۔ پس میں یہ کہتا ہوں کہ دوست جہاں اس کی مالی خدمت کریں۔ وہاں وہ خود بھی آئیں اور دوسروں کو بھی ساتھ لائیں۔

میں ایک اور ضروری بات بھی کہنی چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بعض دوست تبلیغ کرتے ہیں اور جب ایک آدمی حق بات کو پا کر بیعت کے لئے تیار ہو جاتا ہے تو وہ جلسہ کے قریب کے دنوں میں یہ کہتے ہیں کہ چلو جلسہ پر بیعت کر لینا مگر یہ ایک غلطی ہے۔ ایک شخص جسے ہدایت ہو گئی ہے کیا معلوم

کہ قلعہ کے باہر رہ کر اسے پھر خطرہ ہو جائے قلعہ یہی ہوتا ہے کہ اس میں داخل ہو کر ایک شخص خطروں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بیعت بھی ایک قلعہ ہوتی ہے جو شخص بیعت کر لیتا ہے وہ گویا قلعہ میں داخل ہو جاتا ہے جہاں اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ اس لئے اس بات کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہئے کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے ایک شخص قلعے میں آتا آتا رک جائے اور پھر اس کے لئے خطرے پیدا ہو جائیں۔ پس دوستوں کو چاہئے کہ جس وقت کسی کو ہدایت ہو جائے اسی وقت اسے بیعت میں دخل کرا لینا چاہئے۔ خواہ وہ جلسہ کے دنوں کے قریب ہی کیوں نہ ہو۔ اور خواہ جلسہ میں ایک دن ہی کیوں نہ باقی رہ گیا ہو۔ اور اس بات کا فکر نہ کرو کہ جلسہ پر ہی ان کو بیعت کرانی چاہئے۔ ان کو تو اس وقت بیعت کرا دو۔ جلسہ کے موقعہ پر خدا تعالیٰ اور آدمی دے دے گا۔ تم لوگوں کو لاؤ تو سہی وہ یہاں کے حالات دیکھ کر آپ ہی اس طرف متوجہ ہو جائیں گے اور اس بات سے مت گھبراؤ کہ یہ لوگ جلسے پر جا کر گالیاں دیں گے یا کسی اور قسم کی بدزبانی کریں گے۔ میں نے دیکھا ہے۔ دشمن گالیاں دیتے ہوئے آئے۔ لیکن بیعت کر کے گئے۔ پس گالیوں یا اور باتوں سے مت ڈرو۔ تم ساتھ لانے کی کوشش کرو اور جو بیعت کے لئے تیار ہوں انہیں اسی وقت بیعت کراؤ۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں کی توفیق دے اور ہم اس کی وحی اور اس کے کلام پر ایمان لانے والے بنیں۔ ہمارے قلوب پر اس کے الہام نازل ہوں اور ہم ان نشانوں پر سے اندھے ہو کر نہ گزر جائیں جو سورج کی طرح روشن ہیں اور جو ہماری رہنمائی کے لئے ہیں۔ میں یہ دعا بھی کرتا ہوں کہ ہم ان الہاموں اور ان نشانوں سے جتنا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں اٹھائیں آمین

(الفضل ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۶ء)

ا۔ سیرت ابن ہشام حالات غزوہ حنین

۲۔ سیرت المہدی حصہ اول روایت حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب

۳۔ تذکرہ صہ ۵۲

۴۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے برادر اکبر